مترجم:۔ پروفیسر وائی۔ ایس۔ طاہر علی

ڈاکٹر عمر بن داؤد پوتہ کی کتاب

الموسوم بہ

فارسی شاعری کے اِرتقاء میں عربی شاعری کا ہاتھ

حکیمانہ کلام

(پانچویں قسط)

ہر قوم کی شاعری میں کئی کئی مقامات پر اخلاق و موعظت کی باتیں دکھائی دیتی ہیں۔ بے شک ایسے ادوار بھی آئے ہیں جب شاعروں نے دید و دانستہ طور پر معلّمِ اخلاق ہونے کا مظاہرہ کیا ہے۔ متقدمین عرب شعرا بھی اس زمرے میں آجاتے ہیں۔ اُن کے کلام میں حکمت و دانش کے اشعار پُر مغز مقولات اور ترغیبات ہوتی تھیں۔ جو بادیہ نشینوں کو اُن کی اعلیٰ روایات پر عمل پیرا ہونے کے لئے ابھارتی تھیں مسلمانوں کے تنقیدی اصولوں کے مطابق جاہلیت کا کوئی شاعر عظیم نہیں ہو سکتا اگر اُس کے اشعار میں پند و موعظت کی باتیں نہ ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے امرؤ القیس کو "الفحل" کہہ کر اعلیٰ شاعر تسلیم کر لیا کیونکہ اس نے ذیل میں درج شدہ شعر کہا تھا:[۱]

واللہ انجح ما طلبت بہ　　والبر خیر حقیبۃ الرحل

(اللہ سب سے بڑا دینے والا ہے، جو کچھ تو چاہے اُس سے مانگ۔ اور اونٹ کی کاٹھی پر سب سے بڑا تحفہ نیکی ہے)

---

[۱] سیوطی، شواہد ص ۸۰۔

عہدِ عباسیہ میں کئی شعراء ہو گذرے ہیں جن کی طبائع حکیمانہ تھیں۔ اُن میں سے ایک صالح بن عبدالقدوس (متوفی ۱۶۷ھ) تھا۔ اس کے ہم عصروں نے اُس کی اعلیٰ شاعری کی قدر اِس لئے نہ کی کہ وہ ہر وقت حکیمانہ انداز اختیار کرتا تھا۔ جو طبیعتوں کو ناگوار گزرتا تھا۔ علی ہذا القیاس ابوالعتاہیہ (متوفی ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء) کے کلام میں جابجا موت کی اور انسان کی دو روزہ زندگی کی باتیں ہوتی تھیں۔

زیادتی ہوگی اگر ہم کہیں کہ ایرانی شعراء نے یہ مقولات عربوں سے لئے۔ کیونکہ ایسی کہاوتیں اور باتیں ہر قوم و ملت میں عام پائی جاتی ہیں۔ بلکہ یہ مقولات اتنے ارفع اور اعلیٰ ہوتے ہیں کہ انسانی زندگانی میں ان کی مثالیں نہیں مل پاتیں۔ مندرجہ ذیل عبارات میں ہمیں اخلاقیات کی وہ ٹھوس مثالیں ملتی ہیں جو بالواسطہ ہمارے اخلاقی رجحانات کو ابھارتی ہیں۔

(الف) "موت سب کو یکساں بنانے والی ہے۔

(طرفہ متوفی ۵۶۴ ق م) کہتا ہے:[1]

اری قبر نحّامٍ بخیلٍ بمالہ　　　کقبرِ غویٍّ فی البطالۃ مفسد

(میں ایک کنجوس کی قبر کو اور ایک عیاش شخص کی قبر کو یکساں پاتا ہوں)

تری جثوتین من تراب علیہما　　　صفائحُ صمٍّ من صفیحٍ منضّد

(دونوں پر مٹی کے تودے ہیں جن پر سخت پتھروں کی سلیں یکے بعد دیگر رکھی ہوئی ہیں)

---

[1] طرفہ کے معلقہ میں ہے۔ دیکھو ابن قتیبۃ کا الشعر والشعراء ص ۱۹۔ طرفہ نے یہ بات حیرہ کے عیسائیوں سے سیکھی تھی۔ یہ خیال انجیل کی حسب ذیل آیتوں کے مطابق ہے (ملاحظہ ہو کتاب ایوب فصل ۲۱ اور آیتیں ۲۳ تا ۲۶)

"ایک شخص اپنی توانائی میں مرتا ہے جب کہ وہ آرام میں اور امان میں تھا۔
اُس کا سینہ دودھ سے لبریز تھا اور اُس کی ہڈیاں گودے سے بھری ہوئی تھیں۔
دوسرا شخص رنج و غم کے ساتھ مرتا ہے اور کبھی لذت سے آشنا نہ تھا۔
دونوں کے دونوں ایک ہی طرح سے خاک میں جائیں گے اور ان کو کیڑے کھائیں گے"

ادی الموت یعتام الکرام ویصطفی عقیلۃ مال الفاحش المتبدد
(موت شریفوں کا انتخاب کرتی ہے اور ایک عیاش اور خراچ کا بہترین مال بھی لے لیتی ہے)

لعمرك انّ الموت ما اخطأ الفتی لکالطول المرخی و ثنیاہ بالید
(تیرے قسم! موت جوان کی طرف غافل نہیں رہتی۔ بلکہ اُس کی مثال چوپایہ کی لمبی ڈھیلی رسی کی طرح ہے جس کے دونوں سرے ہاتھ میں ہوں)

مذکورہ بالا عبارت کا مفہوم رودکی کے ذیل میں دیئے ہوئے اشعار میں پایا جاتا ہے۔[۱]

زندگانی چہ کوتہ وچہ دراز نہ بآخر بمرد باید باز
(زندگانی کتنی ہی دراز ہو یا مختصر۔ کیا اس کا انجام کار موت نہیں ہے؟۔)

ہم بچنبر گذار خواہد بود این رسن را اگرچہ ہست دراز
(یہ رسی کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو آخر ایک حلقہ کی شکل میں لپیٹی جائے گی[۲])

خواہی اندر عنا و شدت زی خواہی اندر امان ونعمت و ناز
(چاہے تو تنگی اور ترشی کے ساتھ زندگانی گذار یا تو عیش وآرام سے رہ)

خواہی اندر کتر از جہاں بپذیر خواہی از ری بگیر تا بطراز
(چاہے تیرے پاس ایک چھوٹی سی سلطنت ہو یا تو رے سے لے کر طراز تک کا ملک اپنا زیر نگیں کر لے)

این ہمہ روز مرگ یکسانند نشناسی زیکدگر شان باز
(مرتے وقت سب ایک جیسے ہو جائیں گے تو کسی میں کوئی تمیز نہ کر سکے گا)

---

[۱] تاریخ بیہقی (چاپ تہران) ص ۲۷۲

[۲] عنصری نے اس تشبیہ کو کچھ اور ہی شکل دے دی ہے:۔

شدم بصورت چنبر چو زلف او دیدم بصورت رسن و اصل آن رسن عنبر
(میں حلقہ بدام ہو گیا جب میں نے محبوبہ کی زلفیں دیکھیں جو رسی کے مانند تھیں اور عنبر جیسی خوشبو دے رہی تھیں)

نگر ببن گذرت ہست در مثل کہ رسن اگرچہ دور بود بگذرد سوی چنبر
(دیکھ تجھے میرے اندر سے گذر کرنا ہے جس طرح کہ رسی کتنی ہی لمبی ہو حلقہ میں سے ضرور گذرتی ہے)

خیال بالکل یکساں ہے گرچہ وہ مختلف الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے۔ زندگی کو ایک رسی سے مشابہت دی گئی ہے اور اس کے دونوں لپیٹے ہوئے سرے ایک حلقے میں گزارے گئے ہیں۔ ایسی ایک عبارت اور بھی ہے جو سعدیؒ کے گلستان میں ہے:۔

یکی امروز کامران بینی دیگری را دل از مجاہدہ ریش

(آج تجھے ایک شخص شادکام نظر آرہا ہے اور دوسرا شخص محنت کرتے ہوئے کبیدہ خاطر ہے)

روز کی چند باش تا بخورد خاک مغز سر خیال اندیش

(کچھ دن اور ٹھہر جا۔ تاکہ تو اس خیال کرنے والے کے دماغ کو خاک میں ملا ہوا پائے گا)

فرق شاہی و بندگی برخاست چوں قضائی نوشتہ آید پیش

(جب نوشتۂ تقدیر سامنے آئے گا تو بادشاہی اور غلامی کا فرق مٹ جائے گا۔)

از کسی خاک مردہ باز کند نشناسد توانگر از درویش

(اگر کوئی مُردے کی قبر کو کھود کر دیکھے تو امیر اور فقیر کو نہ پہچان سکے گا۔)

(ب) موت ناگزیر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب (متوفی ۴۰ھ/ ۶۶۰ء) فرماتے ہیں [۱]۔

فی ایّ یومي من الموت افرّ أیوم لم یقدّر أم یوم قدر

(دو دنوں میں سے کس دن میں موت سے بھاگوں؟ کیا اُس دن سے بھاگوں جب موت مقدر نہیں ہے یا اُس دن سے بھاگوں جس دن موت مقدر ہے۔)

یوم لم یقدّر لا ارھبه ومن المقدور لا ینجی الحذر

(جس دن موت مقدر نہیں ہے اس روز میں اُس سے نہیں ڈرتا۔ اور مقدر کی گئی بات میں کوئی حفاظتی تدبیر کام نہیں آتی۔)

---

[۱] العقد الفرید، جلد ۱ ص ۵۴۰۔ ابن عبد ربہ کہتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صفین کی جنگ میں روزانہ ان اشعار کو پڑھا کرتے تھے؛ الحماسۃ للبحتری، ص ۶۱۔ ابن جِنّی نے پہلا شعر ایک بادیہ نشین شاعر کا بتایا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے سِیَر القَنَاعَۃ مخطوطۂ لیڈن ص ۶۰)

بندارازی نے (دیلمی امیر مجد الدولہ (۹۹۷ تا ۱۰۲۹ء) کے دربار کا شاعر) جو دونوں زبانوں کا شاعر تھا ان اشعار کا ترجمہ حسب ذیل طریقے سے کیا ہے[1]۔

از مرگ حذر کردن دو روز روانیست — روز یکہ قضا باشد و روز یکہ قضا نیست

(دو دن موت سے ڈرنا کیا معنی رکھتا ہے! جس روز موت آتی ہے اور جس روز موت نہیں آتی)

روز یکہ قضا باشد کوشش نکند سود — روز یکہ قضا نیست درو مرگ روانیست

(جس روز موت آتی ہے اس روز کوئی حیلہ کارگر نہ ہوگا اور جس روز موت نہیں لکھی ہے مرنا ممکن نہیں ہے۔)

نیرنگی زمانہ

ابن الرومی (متوفی ۲۸۳ھ / ۸۹۶ء) نے کہا ہے[2]:۔

دھر علا قدر الوضیع بہ — وتری الشریف یحطہ شرفہ

(یہ وہ زمانہ ہے جس میں نچلے درجہ والے بلند مرتبت ہیں اور شریف انسان اپنی شرافت کی وجہ سے کمتر ہے۔)

کالبحر یرسب فیہ لؤلؤہ — سفلا و تعلو فوقہ جیفہ

(مثل موتی کے جو سمندر کی تہ میں رہتا ہے اور سمندر کی سطح پر مردہ تیرتا نظر آتا ہے۔)

رشید الدین الوطواط (متوفی ۵۷۸ھ / ۱۱۸۲ء) کہتا ہے[3]:۔

گر زیر دست ہر کس و ناکس نشانیم — آنجا دقیقہ ایست دانم من اینقدر

(اگر تو مجھے ہر کس و ناکس کے نیچے بٹھاتا ہے تو پھر یہ ایک نکتہ ہے اتنا میں جانتا ہوں)

بحر است مجلس تو ودر بحر بی خلاف — لولوی زیر باشد و خاشاک برزبر

(کہ تیرا دربار ایک سمندر ہے اور سمندر میں موتی بے شک نیچے رہتا ہے اور خس و خاشاک اوپر رہتا ہے)

---

[1] دولت شاہ، تذکرہ صفحات ۴۲ اور ۴۳۔

[2] یتیمہ جلد ۳ ص ۳۹۰۔

[3] مجمع ص ۱۳۰ (چاپ تہران)

ابن یمین (متوفی ۷۴۵ھ) نے بھی اسی طرح کہا ہے [1]

ببزم آصف جمشید رتبت گہی کا بن الیمین از پا نشیند

(اگر کسی وقت ابن یمین جمشید جیسے عالی مرتبت وزیر کے دربار میں نیچے درجہ میں بیٹھتا ہے)

ندارد خویشتن را در مضیق زنا اہلی اگر ادنی نشیند

(تو وہ کبھی غمگین نہ ہوگا کہ وہ ایک نا اہل کے نیچے بیٹھا تھا)

فروتر پایہ دارد مرد نادان اگرچہ برتر از دانا نشیند

(جاہل کا درجہ ہمیشہ نیچا ہوتا ہے گرچہ وہ کسی عالم کے مقابلے میں اونچا بیٹھے)

ندارد قدر گوہر ہیچ خاشاک بدریا گرچہ او بالا نشیند

(خس وخاشاک کی قیمت موتی جیسی نہیں ہوسکتی گرچہ وہ سمندر کی سطح پر رہے)

قابوس بن وشمگیر والی طبرستان (۹۷۶ تا ۱۰۱۲ء) نے حسب ذیل مشہور اشعار میں اس تشبیہ کو جو پہلے پہل ابن الرومی نے استعمال کی تھی بڑھا چڑھا کر کہا ہے [2]:-

قل للذی بصروف الدھر عیّرنا هل عاند الدھر الّا من له خطر

(اس سے کہہ دو جو ہماری بدبختی کا مذاق اڑاتا ہے کہ کیا زمانہ عالی مرتبت لوگوں کے سوا کسی اور سے بھڑتا ہے؟)

أما ترى البحر تعلو فوقه جیف وتستقرّ بأقصى قعره الدرر

(کیا تجھے سمندر کی سطح پر سڑی گلی لاشیں نظر نہیں آتیں حالانکہ موتیوں کا ٹھکانہ سمندر کی تہ میں ہے)

فإن تکن عبثت ایدی الخطوب بنا ونالنا من تمادی بؤسها الضرر

(اگرچہ زمانے کے ہاتھوں ہم بہت ذلیل ورسوا ہوئے ہیں اور اس کی مسلسل ایذا رسانی نے ہم کو نقصان پہنچایا ہے)

---

[1] دیوان ابن یمین ص ۱۰۔

[2] یتیمۃ جلد ۳ ص ۳۹۰؛ ابن خلکان تصحیح ووستنفیلڈ ص ۵۵۰۔

ففی السماء نجوم ما لہا عدد ولیس یکسف الا الشمس والقمر

(آسمان میں بے شمار اجرام فلکی ہیں لیکن گہن صرف سورج اور چاند ہی کا ہوتا ہے)

ابن یمین نے حسب ذیل قطعہ میں قابوس کے مذکورہ بالا اشعار کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کر دیا ہے؛[1]

ای دوستان بکام دلم نیست روزگار آری زمانہ دشمن اہل ہنر بود

(دوستو! زندگانی میرے دل کی خواہش کے مطابق نہیں ہے۔ ہاں۔ زمانہ اہل ہنر کا دشمن ہے)

سہلست اگر جفا کشم از دور بیوفا زحمت نصیب مردم والا گہر بود

(اگر بے ثباتی زمانہ سے میری دل آزاری ہوتی ہے تو ہو۔ بڑے لوگوں کے مقدر میں تکلیف اٹھانا لکھا ہے)

بر آسمان ستارہ بود بے شمار لیک رنج کسوف بر دل شمس و قمر بود

(آسمان پر لاتعداد ستارے ہیں لیکن سورج اور چاند کے سوا گہن کی مصیبت کس کو ہوتی ہے؟)

رسمیست در زمانہ کہ ہر کم بضاعتی زاہل ہنر بمرتبہا بیشتر بود

(دنیا میں یہ رسم چلی آرہی ہے کہ ہر نا اہل شخص اہل ہنر پر کئی گنا زیادہ مرتبہ رکھتا ہے)

دریا صفت کہ منصب خاشاک اندرو بالائی عقد گوہر و سلک دُرَر بود

(زمانہ سمندر کے مانند ہے کہ خس و خاشاک کا مرتبہ سمندر میں موتی کی مالا اور ہیروں کے ہار سے بلند ہوتا ہے)

آشوب زمانہ

متنبی (متوفی ۳۵۱ھ ۹۶۵ء) کہتا ہے؛[2]

---

[1] اس مماثل عبارت کو پروبراؤن نے تاریخ ادبیات ایران جلد ۳ کے صفحات ۲۲۱ اور ۲۲۲ پر لکھا ہے

[2] دیوان ص ۳۴۹ اور یتیمہ جلد ۱ ص ۱۰۱۔

رمانی الدھر بالأرزاء حتّی فؤادی فی غشاءٍ من نبال

(زمانے نے مجھ پر مصیبتیں ڈھائیں تاآنکہ میرا دل تیروں سے چھلنی ہوگیا۔

فصرت اذا اصابتنی سهام تکسرت النصالُ علی النّصال

(پھر جب مزید تیر برسنے لگے تو اُن کے سرے ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹنے لگے)

جمال الدین اصفہانی (متوفی ۵۸۸ھ / ۱۱۹۲ء) نے متنبی کے اس بلند خیال کا خاکہ اڑایا لیکن اُس میں یہ فرق بتایا کہ متنبی کا دل مصیبتیں جھیل کر قوی ہوگیا تھا اور وہ بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کرسکتا تھا مگر اُس کے دل پر جو بھی نیا تیر آتا ہے ایک قیامت برپا کردیتا ہے۔

نماند تیری در ترکش قضا کہ فلک سوی دلم بر انگشت امتحان نکشود

(قضا و قدر کے ترکش میں کوئی تیر ایسا نہ تھا جسے آسمان نے اپنی آزمائش کی انگلی سے میرے دل پر نہ برسایا ہو)

چون خارپشتی گشتم از تیر آزارش کہ موئی بر تن صبرم زتیر او بشخود

(میں اُن تیروں کے لگنے سے خارپشت (جنگلی چوہا یا کنڈیالا) بن گیا ہوں۔ وہ تیر میرے مصیبت زدہ دل پر بال نظر آنے لگے ہیں[1])

غور و خوض کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ متنبّی کی تصویر کشی زیادہ موثر ہے بہ نسبت اس ایرانی شاعر کے۔ مؤخر الذکر نے اُس تصویر میں خود کو خارپشت سے تشبیہ دے کر ایک بھونڈا پن پیدا کردیا ہے۔ مزید براں عربی اشعار کی لے میں وہ سرعت ہے جو تیروں کی بوچھار میں ہے۔ ہمیں یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ واقعی تیر شاعر کے دل پر برس رہے ہیں اور ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ فارسی کے اشعار میں مقصود اُداسی ہے لیکن ان میں تصنع پایا جاتا ہے جو قابل ذکر ہے۔

(د) ایک مستقل مہمان ہمیشہ ناپسند ہوتا ہے

البُستی (متوفی ۴۰۱ھ / ۱۰۱۰ء) نے کہا ہے[2]:

---

[1] مجمع الصنائع ص ۶۵ الف۔

[2] یتیمۃ جلد ۴ ص ۲۳۰

لقد ھنت من طول المقام و من یقم طویلاً یھن بعد ما کان کرما

(بڑی مدّت تک ٹھہرے رہنے سے میری عزت میں فرق آگیا جو بھی لمبی مدت تک رہے گا ناپسند کیا جائے گا اگرچہ شروع میں اُس کی بڑی قدر کی گئی ہو)

وطول مقام الماء فی مستقرہ یغیرہ لوناً و ریحاً و مطعماً

(پانی بھی ایک لمبی مدت اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے تو اُس کے رنگ میں بُو میں اور ذائقہ میں فرق آجاتا ہے۔

دقیقی (متوفی ۹۷۵ء) نے فارسی میں اسی بات کو دُہرایا ہے[1]:

من اینجا دیر ماندم خوار گشتم عزیز از ماندن دائم شود خوار

(میں یہاں بڑی دیر تک رہا چنانچہ خوار ہوگیا۔ یہ معزّز آدمی لمبی مدّت تک ایک ہی جگہ رہنے سے خوار ہوجاتا ہے)

چو آب اندر شمر بسیار ماند زہو مت گیرد از آرام بسیار

(جس طرح کہ پانی ایک گڑھے میں دیر تک رہے تو بدبو دینے لگ جاتا ہے۔)

صبر سے کام لو

ھ

یا

مرگ قبل از علاج

اس ضرب المثل کی عربی شعرا کے اقوال سے وضاحت ہوسکتی ہے۔ مثلاً:۔

الف ابو تمام (متوفی ۲۳۱ھ / ۸۴۶ء) کہتا ہے[2]:۔

---

[1] الباب جلد ۲ ص ۱۳ اور جامی: بہارستان ص ۸۳۵۔ بستی اور دقیقی دونوں ہم عصر تھے اور دونوں سامانی امیر نوح ثانی کے زیر سایہ تھے۔ اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں میں سے پہلے کس نے اس خیال کو ظاہر کیا۔ میرے خیال میں دقیقی نے پہل کی ہے کیونکہ اُس کے اشعار میں زیادہ روانی ہے اور وہ عیب بھی نہیں جو لفظوں کو غیر ضروری طور پر دہرانے سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ عربی کے آخری شعر کے دوسرے مصرعہ میں نظر آتا ہے۔

[2] دیوان ص ۳۹۹۔

وما نفع من تدمات بالامس صادیا اذا اما السماءُ الیوم طال انہما رُھا
(اُس شخص کیلئے بے سود ہے جو کل شام کو پیاسا مرگیا اگر آج بادل خوب برسے۔)
(ب) ابو فراس (متوفی ۹۶۸ء) کہتا ہے[1]:-
معللتی بالوصل والموتُ دونه اذا امتّ ظمآنًا فلا نزل المطر
(وہ مجھے وصال کے وعدہ سے تھپکیاں دے رہی ہے۔ اگر میں پیاسا مرجاؤں تو بارش سے کہو کہ نہ برسے۔)
(ج) احمد بن بُندار (؟) کہتا ہے[2]:-
وقالو بعود الماءَ فی النھر بعد ما عفت منه آثار وجفّت مشارعه
(وہ کہتے ہیں کہ چشمہ پانی سے بھر جائے گا جب کہ اُس کے تمام نشانات مٹ چکے ہوں گے اور اُس کے دہانے سوکھ گئے ہوں گے۔)
فقلت الی ان یرجعَ الماءُ عائدا وتعشبّ شطّاه تموت ضفادعه
(میں نے کہا کہ قبل اس کے کہ پانی آئے اور اُس کے دونوں کنارے گھاس سے ہرے ہوں مینڈک مرچکے ہوں گے۔)

ایرانی شعراء مینڈک کی جگہ مچھلی کا ذکر کرتے ہیں جب وہ اِس بات کو کہنا چاہتے ہیں مثلاً۔

(ا) پندار (متوفی ۴۰۱ھ/۱۰۱۱ء) کہتا ہے[3]:-

بابط می گفت ماہی در تب وتاب غم نیست بجوی رفتہ باز آید آب
(مچھلی نے بطخ سے بے تاب ہوکر کہا۔ گھبراؤ نہیں جو پانی چلا گیا ہے وہ پھر نہر میں آجائیگا)
بط گفت چو من قدیم گشتم تو کباب دنیا پس مرگ ما چہ دریا چہ سراب
(بطخ نے کہا جب میرا قیمہ کر دیا جائے اور تو تَلی جائے ہمارے بعد کچھ بھی ہو دریا رہے یا سراب سب یکساں ہیں۔)

---

[1] دیوان ص۹۱ اور جلد ۲
[2] کتاب الشعر ص۱۲۵ الف
[3] مجمع الفصحا ص۶۱ ب

ان اشعار میں اور انوری کے ذیل میں دیئے ہوئے قطعہ[۱] میں احمد بن بندار کے مذکورہ اشعار کا قریب قریب ترجمہ ہے :-

ہمدمی گفت صبر کن زیرا — صبر کار تو خوب و زود کند
آب رفتہ بجوی باز آید — کار بہتر از آنچہ بود کند
گفتم آب ار بجوی باز آید — ماہئ مردہ را چہ سود کند

(ایک دوست نے کہا صبر کر۔ صبر کرنے سے تیرا معاملہ جلد بن آئے گا۔)
(سوکھا ہوا پانی چشمہ میں پھر آجائے گا اور تیرا کام پہلے سے اچھا ہوگا۔)
(میں نے کہا چشمے میں پانی آنے سے اُس مچھلی کو کیا فائدہ ہوگا جو پانی نہ ہونے کی وجہ سے مر چکی ہو۔)

ابن یمین (متوفی ۷۴۵ھ / ۱۳۴۴ء) کہتا ہے[۲] :-

چہ سود آنگہ کہ ماہی مردہ باشد — کہ باز آید بجوی رفتہ آبی
(مچھلی کو اُس وقت کیا فائدہ جب وہ مر چکی ہو کہ سوکھا چشمہ پانی سے بھر جائے گا۔)

تاج الدولہ بن عضد الدولہ کے مندرجہ ذیل عربی اشعار میں یہ مفہوم بعینہٖ پایا جاتا ہے[۳] :-

هب الدهر ارضانی و اعتب صرفه — و أعقب بالحسنى من الحبس والاسر
(مانا کہ زمانہ مجھے خوش کر دے گا اور نقصان کی تلافی کر دے گا اور قید و بند کی صعوبتوں کے صلے میں مجھ سے اچھا برتاؤ رکھے گا۔)

فمن لی بایام الهموم التی مضت — و من لی بما أنفقت فی الحبس من عمری
(لیکن ماضی میں جو ایام مصیبت گذرے ہیں اس کا جواب دہ کون ہوگا اور اُسی زندگی کی جو میں نے قید خانہ میں کاٹی ہے کون تلافی گا۔)

---

[۱] دیوان چھاپہ تہران۔
[۲] خرابات جلد ۲ ص ۳۶۸۔
[۳] یتیمۃ جلد ۲ ص ۲ اور کتاب الشعر ص ۱۳۵ الف۔

دقیقی (متوفی ۹۷۵ء) کے پیش نظر یہی اشعار تھے جب اُس نے کہا تھا:[1]

گویند صبر کن ترا صبر بر دہد — آری دہد ولی بعمر دگر دہد

(وہ کہتے ہیں کہ صبر کر۔ صبر کا تجھے پھل ملے گا۔ بے شک ملے گا لیکن دوسری زندگانی میں۔)

من عمر خویش را بصبوری گذاشتم — عمرِ دگر ببباید تا صبر بر دہد

(میں نے اپنی ساری عمر صبر سے کاٹ دی۔ ایک اور عمر چاہیئے تاکہ صبر اپنا پھل دے سکے)

فرخی (متوفی ۴۲۹ھ ۱۰۳۸ء) نے یہی ساز بجایا ہے:[2]

تا در طلب دوست ہمی بشتابم — عمرم بکران رسید و من در خوابم

(میں محبوب کی تلاش میں اب بھی سرگرم ہوں۔ میری عمر ختم ہونے آئی اور میں اب بھی خواب میں مست ہوں۔)

گیرم کہ وصال دوست خواہم یافت — این عمر گذشتہ را کجا دریابم

(مانا کہ محبوب کے وصال سے سرفراز ہوجاؤں گا لیکن گذری ہوئی زندگی پھر کیسے ہاتھ آئے گی؟)

عبید بن الابرص زمانۂ جاہلیت کا ایک شاعر ہو گذرا ہے اُس نے بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے:[3]

لأعرفنك بعد اليوم تندبني — وفي حياتي ما زودتني زادي

(میں خوب جانتا ہوں کہ تو مجھے کل روئے گا۔ حالانکہ تو نے میرے جیتے جی میری خواہش پوری نہیں کی۔)

یہ خیال ایرانی شعراء میں عام پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حافظ (متوفی ۱۳۸۸ء) کو لیجئے وہ کہتا ہے۔

لہ پیزی: c/ccelom allia Peyoare ص ۵۸ اور خرابات جلد ۲ ص ۲۱۲ ۔

ٰٓ۲ہ لباب جلد ۲ ص ۵ ۔

۳ہ لایل: دیوان عبید بن الابرص و دیوان عامر ص ۔

امروز کہ در دست تو ام مرحمتی کن فردا کہ شوم خاک چہ سود اشک ندامت
(آج جب کہ میں تیری چنگل میں ہوں مجھ پر رحم کر۔ کل میں جب خاک ہو جاؤں گا پھر اشک ندامت سے کیا حاصل ؟)

تواضع
و
یا

نانک ننھے ہو رہو جیسے ننھی دُوب ÷ پیڑ بڑے گر جائیں گے دوب خوب کی خوب

ابن الرومی (متوفی ۲۸۳ھ / ۸۹۶ء) نے اس ضرب المثل کو حسب ذیل شعر میں ادا کیا ہے[1]۔

کالریح والزرع استکان لمرّھا وعنا فلم تقدر علی تقصیفہ

(آندھی اور کھیت کے مانند کہ جو آندھی کے چلنے پر جھکا جاتا ہے اور جھکا ہوا رہتا ہے پھر آندھی اُسے برباد نہیں کر سکتی۔)

کم قد نجا منہ الضعیف وما نجا منہ العنیف بلفہ ولفیفہ

(کتنے کمزور درخت آندھی سے بچ نکلتے ہیں! اور کتنے طاقتور درخت با وجود اپنے آس پاس والے ساتھی درختوں کے بچ نہیں سکتے)

وتھاون الجذع الابی مھزہ فاتی علیہ ولم یرع لحفیفہ

(اور سرکش کھجور کے درخت نے آندھی کی وجہ سے اپنی جنبش کو معمولی سمجھا۔ بس اُس نے اس کو آدبوچا اور اُس کے گڑگڑاہٹ کی پرواہ نہ کی[2])

ابن یمین کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اُس نے اِس تشبیہ کو حسب ذیل انداز سے بیان کرتا ہے[3]۔

---

[1] محاضرات ص ۱۴۰۔

[2] ISAAK WALTON نے "The Compleat ANGLER" میں ایک انگریزی نظم کی چند سطور لکھی ہیں جن سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے :۔

خوشا! فرخندہ دولت تواضع!

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہر بلا کز قضای بد باشد　　بر بزرگان روزگار رسد

(قضا و قدر سے جو کوئی بلا نازل ہوتی ہے وہ زمانہ کے بڑے لوگوں پر گرتی ہے۔)

می نہ بینی کہ سر سرار بوزد　　چون باطراف جوئبار رسد

سرو ہائی کہن زبن بکند　　نی ازو سبزہ را غبار رسد

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ طوفان چلتے چلتے جب لب دریا تک پہنچتا ہے تو پرانے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور گھاس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔)

پند و موعظت والے فارسی کلام میں کئی اور مثالیں مل سکتی ہیں جن میں عربی شعراء کی صدائے بازگشت ہو سکتی ہے لیکن مذکورہ بالا چند اقتباسات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس باب میں بھی ایرانی شعراء اپنے عرب پیشرووں کے مرہون منت ہیں اور فارسی ادب کے شائقین پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ انہیں عربی زبان اور ادب کا تقابلی مطالعہ کرنا چاہیئے اسی پر پروفیسر براؤن (مغفرلہ) بار بار اپنی کتاب تاریخ ادبیات ایران میں زور دیتے رہے ہیں۔

(مسلسل)

(پچھلے صفحہ سے آگے)

خوش نصیب ہیں وہ اذہان جو قناعت کی بدولت بڑے بڑے طوفانوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور چھوٹے درختوں کے مانند طوفانوں سے بچ نکلتے ہیں جب کہ تناور درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں۔

صاحب عقد الفرید جلد ا ص ۱۱ نے ایک مثال دی ہے جو کسی گمنام شاعر سے منسوب ہے:۔

انّ الریاح لذا ما اعصفت تصفت　　عیدانَ نخلٍ ولا یعبأن بالرّتم

(بیشک تیز آندھی کھجور کے درختوں کو توڑ ڈالتی ہے اور چھوٹے چھوٹے معمولی پودوں کو اپنی جگہ رہنے دیتی ہے)

ایک دوسرا گمنام شاعر (ملاحظہ ہو الخیال فی الشعر العربی ص ۵) کہتا ہے:۔

لذ بالخمول و عن بالذل معتصماً　　باللہ تنجو کما اهل النهی سلموا

فالریح تحطم ان هبت عواصفها　　دوح الثمار و ینجو الشیح والوتم

سلہ　دیوان ابن یمین ص ۱۱۰ الف ب۔